⑦

فتویٰ کی اہمیت

مفتیان و علماء کرام و مشائخ عظام قرآن و حدیث کی رو سے واضح فرما دیں فتویٰ کی کیا اہمیت ہے؟ اور سلف صالحین کا اس کے متعلق منہج کیا ہے؟

الجواب بعون الوهاب وهو الموفق للصواب

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ أَمَّا بَعْدُ!

فتویٰ دینا جہاں ایک شرف وعزت اور اجر وثواب کا کام ہے، وہاں یہ ایک اہم اور نازک ترین ذمہ داری بھی ہے۔فتویٰ دینے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے ،ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ ”لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں، فرما دیجئے اللہ تمہیں کلالہ (وہ شخص جس کی وفات کے وقت نہ اس کے والدین میں سے کوئی زندہ ہو اور نہ ہی اولاد میں سے کوئی ہو) کے متعلق فتویٰ دیتا ہے۔“[1] ایک دوسرے مقام پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف فتویٰ کی نسبت کی گئی ہے۔[2]

مفتی درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نمائندگی کرتے ہوئے فتوی دے رہا ہوتا ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وإذَا كَانَ مَنصِبُ التَّوقِيعِ عَنِ المُلُوكِ بالمَحَلِّ الَّذِي لا يُنْكَرُ فَضْلُهُ، وَلَا يُجْهَلُ قَدْرُهُ، وهو مِنْ أَعْلَى الْمَرَاتِبِ السَّنِيَّاتِ، فَكَيْفَ بِمَنْصِبِ التَّوقِيعِ عَنْ رَبِّ الأَرْضِ

[1] سورة النساء، آیت نمبر:176. [2] سورة النساء، آیت نمبر:127.

وَالسَّمٰوٰتِ؟»

”دنیا کے بادشاہوں کی طرف سے دستخط کرنا، تمام اونچے مناصب میں سے اعلیٰ ترین منصب ہے، نہ کوئی اس منصب کی اہمیت کا انکار کرسکتا ہے، اور نہ ہی اس کی قدر و قیمت سے کوئی ناواقف ہے، ذرا سوچو تو سہی! آسمانوں و زمین کے بادشاہ کی طرف سے دستخط کے منصب پر فائز ہونا، کس قدر اہم معاملہ ہے۔“[1]

مفتی کو ہر وقت یہ احساس دامن گیر رہنا چاہیے کہ وہ کس ہستی کی نمائندگی کر رہا ہے، اسے یہ بھی کامل ادراک ہونا چاہیے کہ کل اللہ کی عدالت میں کھڑے ہو کر اس ذمہ داری کا حساب بھی دینا ہے۔ اس بنا پر منصب فتویٰ پر فائز ہونے کے لیے سب سے بنیادی شرط قرآن و حدیث کا گہرا علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی آراء سے آگاہ ہونا اور عربی زبان کے اسالیب سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں فہم و بصیرت اور خداداد صلاحیت کا بھی فتویٰ میں بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ ان تمام شروط کے بغیر فتوے جاری کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ فتویٰ میں علم کے بغیر کچھ کہنا اور بلا علم اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرنا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی نہ صرف یہ کہ کبیرہ گناہ ہے، بلکہ اکبر الکبائر میں سے ہے۔

حکم ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

”کہہ دیجیے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔“[2]

اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، یا اس کے دین کی طرف ایسی چیزیں منسوب کرنا جن کی علمِ وحی پر بنیاد نہ ہو، سب سے بڑا گناہ ہے، مذکورہ آیت میں اس گناہ کو شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ تمام گمراہیوں، بدعات وغیرہ کی بنیاد، اسی گناہ پر کھڑی ہے۔

[1] إعلام الموقعین، 1/9۔ [2] سورۃ الاعراف، آیت نمبر: 33.

فتویٰ دینا کیونکہ ایک بھاری ذمہ داری ہے لہٰذا اس منصب پر فائز ہونے کے لیے فقہاء کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں اخلاص، تقویٰ اور اعلیٰ کردار کے ساتھ ساتھ صلاحیت وقابلیت کو بھی بہت اہمیت دی ہے اور ہر لحاظ سے ایک کڑا معیار طے کیا ہے جس کے تفصیلی دلائل قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ میں کثرت سے موجود ہیں اہل علم نے انہیں کتب فقہ وفتاویٰ میں مرتب ومنظم کر کے پیش کیا ہے۔اس درجہ افتاء کے لیے اہلیت کا فیصلہ بھی انسان خود نہیں کرسکتا۔کبار اہل علم گواہی دیں کہ فلاں شخص منصب فتویٰ کے اہل ہے، تو ان کی شہادت سے کسی کی اہلیت معتبر ہوگی۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«مَا أَفتيتُ حَتَّى شَهِدَ لِي سَبعُونَ أَنِّي أَهلٌ لِذَلِك»

’’میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک ستر علماء نے میرے متعلق اس کے اہل ہونے کی گواہی نہیں دی۔‘‘[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

« إِنَّ اللهَ لَا يَقبِضُ العِلمَ انتِزَاعًا يَنتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ وَلَكِن يَقبِضُ العِلمَ بِقَبضِ العُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَم يُبقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوساً جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفتَوا بِغَيرِ عِلمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا»

’’اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھا لے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔ چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔‘‘[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی راہ نمائی راسخ علماء سے ملتی ہے۔

بلا علم فتویٰ صادر کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کیا۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

[1] الحلية:316/6. [2] صحيح البخاری،كتاب العلم،باب كيف يقبض العلم، حديث نمبر:100.

«خَرَجنَا فِی سَفرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِی رَأسِهِ ثُمَّ احتَلَمَ فَسَأَلَ أَصحَابَهُ فَقَالَ هَل تَجِدُونَ لِی رُخصَةً فِی التَّیَمُّمِ فَقَالُوا مَا نَجِدُ لَكَ رُخصَةً وَأَنتَ تَقدِرُ عَلَى المَاءِ فَاغتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمنَا عَلَى النَّبِیِّ ﷺ أُخبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَّا سَأَلُوا إِذ لَم یَعلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ العِیِّ السُّؤَالُ»

''ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا اور اس کے سر میں زخم ہو گیا، پھر اسے احتلام (بھی) ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا میرے لیے کوئی اجازت ہے کہ میں تیمم کر لوں؟ انہوں نے کہا پانی تک تمہاری رسائی ممکن ہے اس لیے ہمارے نزدیک تمہارے لیے (تیمم) کی کوئی گنجائش نہیں. چنانچہ اس نے غسل کر لیا تو اس کی موت واقع ہو گئی۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آپ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اللہ انہیں ہلاک کرے، انہوں نے پوچھ کیوں نہ لیا، جب کہ انہیں علم نہ تھا، بلا شبہ لاعلمی کا علاج سوال کرنے میں ہی ہے۔'' [1]

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

علمی مقام و مرتبہ سے محروم، عمل سے تہی دامن اور ہر کہترے مہترے کا فتویٰ دینا، قیامت کی نشانی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«سَیَأتِی عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ یُصَدَّقُ فِیهَا الكَاذِبُ وَیُكَذَّبُ فِیهَا الصَّادِقُ وَیُؤتَمَنُ فِیهَا الخَائِنُ وَیُخَوَّنُ فِیهَا الأَمِینُ وَیَنطِقُ فِیهَا الرُّوَیبِضَةُ قِیلَ وَمَا الرُّوَیبِضَةُ ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ یَتَكَلَّمُ فِی أَمرِ العَامَّةِ»

''عنقریب لوگوں پر دھوکے سے بھرپور سال آئیں گے۔ ان میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا۔ بد دیانت کو امانت دار سمجھا جائے گا اور دیانت دار کو بد دیانت کہا جائے گا۔ اور ''رُوَیبِضَه'' باتیں کریں گے، کہا گیا: ''رُوَیبِضَه'' کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حقیر آدمی (قومی، ملی اور اجتماعی) معاملات میں عوام کو رائے دے گا۔'' [2]

[1] ابوداود، كتاب الطهارة، باب فى المجروح يتيمم حديث :336. [2] سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب شدة الزمان، حديث نمبر:4036.

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

اگر صاحب علم، راسخ عالم فتویٰ میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر محفوظ ہے۔لیکن اگر علم وحی میں رسوخ کے بغیر فتویٰ دینے کی عادت ہو تو جواب درست ہونے کے باوجود یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔اور اگر جواب بھی غلط ہو تو جتنے لوگ غلط مسئلے پر عمل کریں گے، ان کا وبال بھی مفتی پر ہوگا۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: «مَن أُفتِيَ بِغَيرِ عِلمٍ كَانَ إِثمُهُ عَلَى مَن أَفتَاهُ» جس شخص کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوی دینے والے پر ہوگا۔ [1]

اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«مَن أَفتَى النَّاسَ وَلَيسَ بِأَهلٍ لِلفَتوَى فَهُوَ آثِمٌ عَاصٍ، وَمَن أَقَرَّهُ مِن وُلَاةِ الأُمُورِ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ آثِمٌ أَيضًا»

''جو شخص لوگوں کو فتوی دیتا ہے لیکن فتوے کی ذمہ داری کا اہل نہیں تو وہ گناہ گار اور نافرمان ہے، اور جس صاحب اقتدار نے اس کو اس کام پر مقرر کیا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔'' [2]

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَجسَرُ النَّاسِ عَلَى الفُتيَا أَقَلُّهُم عِلمًا.

''فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مند وہ شخص ہوتا ہے جو کم علم ہو۔'' [3]

ہر شخص ہر شعبۂ علم میں پختہ نہیں ہوتا، اگر کوئی مفتی ایک میدان میں باصلاحیت ہو تو ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں راہ نمائی کر سکے۔

اس انداز فکر والے شخص کے بارے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِي يُفتِي النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يَسأَلُونَهُ لَمَجنُونٌ.

''جو شخص لوگوں کے تمام پوچھے ہوئے سوالات کا جواب دے وہ مجنون ہے۔'' [4]

[1] سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا، حديث نمبر:3657. [2] اعلام الموقعين:237/4.
[3] جامع بيان العلم وفضله:2209. [4] جامع بيان العلم وفضله:2206.

ایک مفتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس مسئلے کی بابت اسے معلوم نہ ہو تو اس کے متعلق ’’لَا أَدْرِي‘‘ ’’میرے علم میں نہیں، میں نہیں جانتا‘‘ کہنے میں قطعاً عار محسوس نہ کرے۔

سُئِلَ الشَّعْبِيُّ عَنْ مَسْأَلَةٍ فَقَالَ: لَا أَدْرِيْ فَقِيْلَ لَهُ: أَلَا تَسْتَحْيِ مِنْ قَوْلِكَ لَا أَدْرِيْ وَأَنْتَ فَقِيْهُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَقَالَ: لَكِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَمْ تَسْتَحْيِ حِيْنَ قَالُوا: ﴿سُبحَانَكَ لَا عِلمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمتَنَا إِنَّكَ أَنتَ العَلِيمُ الحَكِيمُ﴾ [1]

’’امام شعبی رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا: ’’لَا أَدْرِيْ‘‘ (میں نہیں جانتا)۔ ان سے کہا گیا: کیا آپ ’’لَا أَدْرِيْ‘‘ (میں نہیں جانتا) کہہ کر شرم محسوس نہیں کرتے، حالانکہ آپ تو عراق کے فقیہ ہیں؟ فرمانے لگے: فرشتوں کو بھی تو شرم محسوس نہیں ہوئی تھی جب انہوں نے یہ کہا تھا ’’تو پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ [2]

عقبہ بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ ابنَ عُمَرَ سُئِلَ عَن شَيءٍ فَقَالَ: لَا أَدرِي ثُمَّ أَتبَعَهَا فَقَالَ: أَتُرِيدُونَ أَن تَجعَلُوا ظُهُورَنَا لَكُم جُسُورًا فِي جَهَنَّمَ أَن تَقُولُوا: أَفتَانَا بِهَذَا ابنُ عُمَرَ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: ’’لَا أَدرِي‘‘ (میں نہیں جانتا) پھر کہنے لگے: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہماری پشتوں کو اپنے لیے جہنم کے پل بناؤ اور یہ کہو کہ: ہمیں عبداللہ بن عمر نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ [3]

امام ابوداود رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ أَحْمَدَ سُئِلَ عَنْ كَثِيرٍ مِمَّا فِيهِ الاختِلَافُ فِي العِلمِ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي.

’’میں نے بارہا دفعہ اختلافی مسائل میں امام احمد رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا: لَا أَدْرِي ’’میں نہیں جانتا‘‘۔ [4]

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس دور دراز سے ایک مسافر مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا، امام مالک رحمہ اللہ نے

[1] البقرة: 32. [2] إعلام الموقعين: 238/4. [3] الفقيه والمتفقه: 104. [4] مسائل أبي داؤد، بحواله إعلام الموقعين: 27/1.

فرمایا: ”لَاأَدْرِي“ مجھے اس بارے علم نہیں ہے۔ وہ شخص کہنے لگا، میں اتنے ملکوں، شہروں سے گزر کر لمبا سفر کر کے آپ کے پاس پہنچا ہوں، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قُل: سألت مَالِكاً، فَقَالَ: لَا أَدْرِيْ ”لوگوں سے کہہ دینا، میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا تھا، مالک کہتا تھا: لَا أَدْرِيْ“ میں نہیں جانتا۔“ [1]

اگر ایک مفتی کی مجلس میں یا اس کے علاقے یا اس کے علم میں، کوئی بڑا عالم موجود ہو، تو سائل کو اس کی طرف روانہ کرنے میں بھی کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرے۔ جلیل القدر تابعی ابوالمنہال رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: «سَأَلتُ زَيدَ بنَ أَرقَمَ وَالبَرَاءَ بنَ عَازِبٍ عَنِ الصَّرفِ فَجَعَلَ كُلَّمَا سَأَلتُ أَحَدَهُمَا قَالَ: سَلِ الآخَرَ؛ فَإِنَّهُ خَيرٌ مِنِّي وَأَعلَمُ مِنِّي وَذَكَرَ الحَدِيثَ فِي الصَّرفِ» ”میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ دونوں میں سے کسی ایک سے جب بھی "الصرف" (تبادلہ نقود، کرنسی ایکسچینج) کے بارے میں پوچھا جاتا وہ دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ ان سے پوچھو وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ علم والے ہیں۔ [2]

بعض مسائل اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ فردِ واحد کے لیے صحیح نتیجے تک رسائی مشکل ہوتی ہے۔ اس طرح کے مسائل میں صحیح رائے تک پہنچنے کے لیے طویل غور و خوض اور اجتماعی مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے مسائل میں دیگر اہل علم اور بعض دفعہ دوسرے اہل فن سے مشاورت کا اہتمام ہونا چاہیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی منہج ہے۔

ابو حصین عثمان بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيُفْتِي فِي الْمَسْأَلَةِ لَوْ وَرَدَتْ عَلَى عُمَرَ لَجَمَعَ أَهْلَ بَدْرٍ.

”آج کل لوگ ایسے ایسے مسائل میں فتویٰ دینے لگ گئے ہیں اگر یہ مسائل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو درپیش ہوتے تو وہ اہل بدر کو جمع کر کے ان سے ان کا حل معلوم کرتے۔“ [3] حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک الہامی شخصیت تھے۔ ان کی بعض تجاویز کو اللہ تعالیٰ نے وحی بنا کر نازل فرمایا تھا۔

جلد بازی بالعموم نقصان دہ ہے، لیکن فتویٰ میں بالخصوص یہ زہر قاتل ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ جواب دینے میں قطعاً عجلت سے کام نہ لے بلکہ تحمل کے ساتھ طویل بحث و تمحیص، غور و خوض، تلاش و جستجو اور عمیق

[1] صيد الخاطر: 220. [2] جامع بيان العلم وفضله: 2218. [3] الآداب الشرعية لابن مفلح: 245.

فکر ونظر کے بعد فتویٰ دے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درج ذیل واقعہ سے اس منہج پر خوب روشنی پڑتی ہے جو فتویٰ دینے کے متعلق سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس چند لوگ آئے انہوں نے سوال کیا کہ ہمارے خاندان کے ایک شخص نے کسی خاتون سے نکاح کیا ہے، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ شخص فوت ہو گیا، عورت کا حق مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا، ایسے حالات میں کیا عورت حق مہر کی حقدار ہے؟ کیا خاوند کے ترکہ سے اس کو حصہ ملے گا؟ کیا اس کے ذمے عدت وفات گزارنا ضروری ہے؟ ان سوالات کا جواب دینے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گریز کر رہے ہیں اور خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے رہے اور اصرار کے ساتھ ان سوالات کا جواب پوچھتے رہے آخر کار انہوں نے بایں الفاظ جواب دیا:

فَإِنِّي أَقُولُ فِيهَا إِنَّ لَهَا صَدَاقًا كَصَدَاقِ نِسَائِهَا لاَ وَكْسَ وَلاَ شَطَطَ وَإِنَّ لَهَا الْمِيرَاثَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فَإِنْ يَكُ صَوَابًا فَمِنَ اللهِ وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ وَاللهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ.

”اس استفسار کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ اس عورت کو خاندان کی باقی عورتوں کی طرح حق مہر ملے گا، اس سے کم ہو نہ زیادہ، اس کے لیے خاوند کے ترکہ سے میراث بھی ہے اور اسے عدت وفات بھی گزارنا ہوگی۔ اگر یہ فتویٰ درست ہے تو اس کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی اکساہٹ کا نتیجہ ہے، اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔“

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سن کر سیدنا جراح، ابو سنان اشجعی رضی اللہ عنہما اور ان کے خاندان کے کچھ دوسرے افراد نے گواہی دی کہ عہد نبوی میں سیدہ بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سیدنا ہلال بن مرہ اشجعی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی صورت حال پیش آئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے وہی فیصلہ دیا تھا جو آپ نے کیا ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے موافق پا کر انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ [1]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کا یہی طرز عمل تھا کہ پوری دل جمعی کے ساتھ کتاب وسنت

[1] سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوّج ولم یسمّ صداقًا حتی مات، حدیث نمبر: 2116.

میں مسئلہ تلاش کرتے، خلفائے راشدین کے اقوال کا پتہ چلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتے، مکمل جد و جہد اور اجتہاد کے بعد جب اطمینان ہو جاتا تو فتویٰ دیتے تھے، ہمارے اسلاف کا فتویٰ دینے کے متعلق یہی منہج تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس عظیم منصب کی حساسیت و نزاکت کو سمجھ کر قرآن و سنت کے مطابق امت کی درست شرعی و فکری راہ نمائی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والله تعالى أعلم وإسناد العلم إليه أسلم وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

مفتیانِ عظام وعلماء کرام

#	مفتیان کرام	دستخط	#	مفتیان کرام	دستخط
1	حافظ محمد شریف حفظہ اللہ (فیصل آباد)	[illegible]	2	عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ (پشاور)	[illegible]
3	مفتی بلال عبدالکریم حفظہ اللہ (گلگت)	بلال احمد	4	ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ (صادق آباد)	[illegible]
5	غلام مصطفیٰ ظہیر حفظہ اللہ (سرگودھا)	[illegible]	6	عبدالغفار اعوان حفظہ اللہ (اوکاڑہ)	عبدالغفار
7	مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ (لاہور)	[illegible]	8	مفتی محمد انس مدنی حفظہ اللہ (کراچی)	[illegible]
9	واصل واسطی حفظہ اللہ (کوئٹہ)	واصل واسطی	10	ڈاکٹر کندی حفظہ اللہ (کشمیر)	[illegible]

مشرف عام — حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ

نائب رئیس — مفتی ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ — ارشاد الحق اثری

رئیس — مفتی حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ